قسط یازدہم:-

میر کا سیاسی اور سماجی ماحول

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب، استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

دل سر بسر خراب ہے تعمیر کیا کروں — آشفتگیِ حال کی تعمیر کیا کروں
خوننابہائے چشم کی تقریر کیا کروں — زردیِ رنگ چہرہ کی تحریر کیا کروں
آیا جو میں چمن میں خزاں ہوگئی بہار

حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ — دل سوزشِ درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ — ہے نام مجلسوں میں میرؔ بے دماغ
ازبس کہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار[1]

جبکہ بادشاہ سے لے کر عوام تک اسی اقتصادی پریشانیوں میں مبتلا تھے اور بقول میر بادشاہِ وقت کو آٹھ آنے بھی بھاری تھے تو میر کو ایسی حالت میں وہ روزینہ کیسے مل سکتا تھا جو انہیں بادشاہ کی طرف سے ملتا تھا، ایسی صورت میں بہت ممکن تھا کہ میر پھر وطنِ مالوف آگرہ واپس چلے جاتے مگر آگرہ کی حالت دہلی سے بھی بدتر تھی، جاٹوں کے ہاتھوں وہ شہر بھی برباد و تباہ ہوگیا تھا۔[2] میر نے آگرہ کی بربادی کا بڑے دلدوز انداز میں ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ:-

"آہ وطن! میں صبح و شام دریا کے کنارے سیر و تماشا کرنے کے لئے جاتا تھا جو بہت اچھی جگہ

---

[1] کلیاتِ میر (آسی) ص ۹۵۰ - ۹۵۱

[2] برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ History of the jats (calcutta, 1925) PP 40, 50, 61, 105, 143 - 144, 269

واقع ہے (یعنی) اُس طرف باغ ہیں۔ اِدھر قلعہ اور امراء کی حویلیاں گویا بہشت کی نہر ہے، میری آفرینی کا شہرہ تو عالم گیر تھا، اُلھڑ حسین، سیاہ پلکوں والے، اچھی سج دھج والے، جامہ زیب اور پاکیزہ طینت، شاعر مجھے نہیں چھوڑتے تھے اور بڑی عزت کرتے تھے، دو تین بار سارے شہر میں گھوما، وہاں کے عالموں، فقیروں اور شاعروں سے ملا (لیکن) کوئی ایسا مخاطب نہ ملا جس سے (بات کرکے) دلِ بیتاب کو تسلی ہو، میں نے سوچا خدا کی شان۔ یہ وہی شہر ہے جس کی ہر گلی میں عارف، کامل، فاضل، شاعر، منشی، دانش مند، فقیہ متکلم، حکیم، صوفی، محدث، مدرس، درویش، متوکل، شیخ، ملا، حافظ، قاری، امام مؤذن، مدرسہ، مسجد، خانقاہ، تکیہ، مہمان سرا، مکان اور باغ تھے۔ (اور) آج مجھے ایسی جگہ نظر نہیں آتی جہاں بیٹھ کر خوش ہو جاؤں، ایسا آدمی نہیں ملتا جس سے گفتگو کرسکوں۔ (شہر کو) ایک وحشت ناک ویرانہ پایا (اور) نہایت صدمہ اُٹھا کر لوٹ آیا (اس طرح) چار مہینے وطن مالوف میں گزارے۔ رخصت ہوتے وقت آنکھیں بھر آئیں" [1]

اس تباہی و بربادی کی وجہ سے آگرے کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو گیا تھا، ہر شخص چاہے وہ ملازم پیشہ ہو یا کوئی اور پیشہ کرتا ہو، معاشی تنگی اور افلاس کا شکار تھا۔ نظیر اکبر آبادی نے تمام پیشہ وروں کی حالتِ نجستہ کا نقشہ ایک پُر درد مرثیہ میں پیش کیا ہے:۔

بے روز گاری نے یہ دکھائی ہے مفلسی — کوٹھے کی چھت نہیں ہے یہ چھائی ہے مفلسی
دیوار و در کے بیچ سمائی ہے مفلسی — ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہی جوں ایک بار بند

---

[1] ۱۷۹۴ء میں جب تھومس ٹوننگ کا گذر آگرہ سے ہوا تو اس نے اس عظیم الشان شہر کو، جو اکبر اور شاہ جہاں کے عہد میں اپنی آبادی، دولت اور خوبصورتی کے لئے ہندوستان کے شہروں میں سب سے زیادہ مشہور تھا، تباہ و برباد پایا تھا۔ برائے تفصیل۔ Travel in India A Hundred Years ago (1794) London (1893) P 190

کڑیاں جو سال کی تھیں بکیں وہ تو اگلے سال لاچار قرض و دام سے چھپر لئے ہیں ڈال
پھوس اور ٹھٹھرے اسکے ہیں جوں سر کے بکھرے بال اس بکھرے پھوس سے ہے یہ اِن چھپروں کا حال
گویا کہ اُن کے بھول گئے ہیں چمار بند

دنیا میں اب قدیم سے ہے زر کا بندوبست اور بے زری میں گھر کا نہ باہر کا بندوبست
آقا کا انتظام نہ نوکر کا بندوبست مفلس جو مفلسی میں کرے گھر کا بندوبست
مکڑی کے تار کا ہے وہ نا استوار بند

کپڑا نہ گٹھری بیچ تھیلی میں زر رہا خطرہ نہ چور کا نہ اُچکے کا ڈر رہا
رہنے کو بن کواڑ کا پھوٹا کھنڈر رہا کھنکھار جاگنے کا نہ مطلق اثر رہا
آنے سے بھی جو ہو گئے چور و چکار بند

اب آگرے میں جتنے ہیں سب لوگ ہیں تباہ آتا نظر کسی کا نہیں ایک دم نباہ
مانگو عزیزو ایسے بُرے وقت سے پناہ وہ لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں آہ
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند

پیشہ ور دستکار

صرّاف، بنیے، جوہری اور سیٹھ، ساہوکار دیتے تھے سب کو نقد، سو کھاتے ہیں اب اُدھار
بازار میں اُڑے ہے پڑی خاک بے شمار بیٹھے ہیں یوں دکانوں میں اپنے دکان دار
جیسے کہ چور بیٹھے ہوں قیدی قطار بند

سوداگر اور دلّال

سوداگروں کو سود نہ بیوپاری کو فلاح بزّاز کو ہے نفع نہ پنساری کو فلاح
دلّال کو ہے یافت نہ بازاری کو فلاح دُکھیا کو فائدہ نہ پنہاری کو فلاح
یاں تک ہوا ہے آن کے لوگوں کا کار بند

دست کار و پیشہ ور

مارے ہیں ہاتھ ہاتھ پہ سب یاں کے دستکار
اور جتنے پیشہ دار ہیں روتے ہیں زار زار
کوٹے ہے تن لہار تو پیٹے ہے سر سنار
کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے یار
چھتیس پیشے والوں کا ہے کار و بار بند

زرگری و تارکشی کا پیشہ

زر کے بھی جتنے کام تھے وہ سب دبک گئے
اور ریشمی تو ام بھی یک سر چپک گئے
زردار اٹھ گئے تو بٹیئے سرک گئے
چلنے سے کام تارکشوں کے بھی تھک گئے
کیا بال سُتلی کھینچیں جو ہو جائے تار بند

بساطی، نان بائی، بھڑبھوجے، دُھنیے و درائی وغیرہ

بیٹھے بساطی راہ میں تنکے سے چنتے ہیں
چلتے ہیں نان بائی تو بھڑبھوجے بھنتے ہیں
دُھنیے بھی ہاتھ ملتے ہیں اور سر کو دُھنتے ہیں
روتے ہیں وہ جو مشروع و درآئی بُنتے ہیں
اور وہ تو مر گئے جو بُنیں تھے ازار بند

کاغذی

گر کاغذی کے حال کے کاغذ کو دیکھیے
مطلق اُسے خبر نہیں کاغذ کے بھاؤ سے
ردّی قلم دکان میں نہ ٹکڑے ہیں ٹاٹ کے
یاں تک کہ اپنی چھٹی کے لکھنے کے واسطے
کاغذ کا مانگتا ہے ہر اک سے اُدھار بند

ملاحی

لوٹیں ہیں گرد و پیش جو قزاق راہ مار
بیوپاری آتے جاتے نہیں ڈر سے زینہار
کوتوال رو دیں خاک اُڑاتے ہیں چوکیدار
ملاحوں کا بھی کام نہیں چلتا میرے یار
نادیں ہیں گھاٹ گھاٹ کی سب وار پار بند

کمان گر، صحاف، مینا ساز۔ مصور و نقاش

ہر دم کمانگروں کے اُپر پیچ و تاب ہیں صحاف اپنے حال میں غم کی کتاب ہیں
مرتے ہیں مینا ساز مصور کباب ہیں نقاش اُن سبھوں سے زیادہ خراب ہیں
رنگ و قلم کے ہو گئے نقش و نگار بند

پھول بیچنے والے

بیچیں تھے وہ جو گوندھ کے پھولوں کے بدھی ہار مرجھا رہی ہے دل کی کلی جی سے ہے داغ دار
جب آدھی رات تک نہ بکی جنسِ آب دار لاچار پھر وہ ڈکری اپنی زمیں پہ مار
جاتے ہیں گرد گان کو آخر وہ ہار بند

حجامی

حجام پر بھی یاں تئیں ہے مفلسی کا زور پیسا کہاں جو سان ہو استرون کا شور
کانپے ہے سر بھگوتے ہوئے اس کی پور پور کیا بات ایک بال کٹے یا تراشے کور
یاں تک ہے اُسترے و نہرنی کی دھار بند

زہر کے اُتارنے کے پیشہ ور

ڈیرو بجا کے وہ جو اُتارے ہیں زہر مار آپ ہی وہ کھیلتے ہیں ہلا سر زمیں پہ مار
منتر تو جب چلے کہ جو ہو پیٹ کا ادھار جب مفلسی کا سانپ ہو اُن کے گلے کا ہار
کیا خاک پھر وہ باندھیں کہیں جا کے مار بند

مختصر یہ کہ آگرے کے تمام پیشہ ور بے روزگاری کی پریشانیوں میں مبتلا تھے اور دانہ دانہ کو محتاج تھے۔

کیا چھوٹے کام والے وکیا پیشہ ورنجیب روزی کے آج ہاتھ سے عاجز ہیں سب غریب
ہوتی ہے بیٹھے بیٹھے آ شام عنقریب اُٹھتے ہیں سب دکان سے کہہ کر کہ یا نصیب
قسمت ہماری ہو گئی بے اختیار بند[1]

---

[1] کلیاتِ نظیر اکبر آبادی۔ ص ۲۶۵ تا ۲۷۱۔

ابھی تک دلّی اور آگرہ کی اقتصادی زبوں حالی کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے کیوں کہ ان ہی دونوں مقامات سے میر وابستہ تھے مگر دلّی اور آگرہ ہی نہیں، شمالی ہندوستان کے ہر علاقے کی ایسی ہی خراب و خستہ حالت تھی۔ ان سیاسی اور اقتصادی حالات سے تنگ آ کر جب میر نے دلّی چھوڑنے اور لکھنؤ جانے کا مصمم ارادہ کر کے سفر اختیار کیا تو جن مقامات سے میر کا گزر ہوا تو وہاں کی معاشی تنگی اور اقتصادی انتشار کا تفصیل سے ذکر انھوں نے "مثنوی ننگ نامہ" میں کیا ہے، دلّی سے روانہ ہونے کے بعد میر شاہ درا پہونچے، وہاں کے حالات میر کی زبانی ملاحظہ ہوں :-

پار کا گنج تھا جو شاہ درا　　سب نے رہنا وہیں کا جی میں دھرا
سو نہ جا گہ تھی نہ مکان مبیت　　چار دوکانیں ایک چھوٹی مسیت
گھر ملا صاحبوں کو ایسا تنگ　　جس سے بیت الخلا کو آوے ننگ
ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے سرا پائی　　ویسے گھر چھوٹے ویسی جا پائی
رہنا بھٹیاری کے غنیمت جان　　جو کہا اُن نے ہم گئے سب مان
کچھ پکانے کا جب سوال کیا　　ہیں نے اظہار اپنا حال کیا
سُن کے اک دل سے کھینچی اُن نے آہ　　اور بولی کہ واہ صاحب واہ
ہم تو جانا تھا آدمی ہو بڑے　　چار پانچ آدمی ہیں پاس کھڑے
کچھ یہ کھا دیں گے کچھ کھلا دیں گے　　ہم کچھ اُن کے سبب سے پاوینگے
سو تو نکلے ہو کورے بالم تم　　ہو گدا جیسے شاہِ عالم تم
کھانے پینے کی کچھ نہیں ہے بات　　دیکھیے کس طرح سے گزرے رات

شاہ درا سے کوچ کر کے یہ قافلہ میرٹھ پہونچا۔ وہاں کی حالت ملاحظہ ہو :-

ایک گڑھی بود و باش کو پائی　　کچھ نہ کھانے کو جس میں نے کھائی
چھوٹی پھائی سی چار دیواری　　اور میدان تھی گڑھی ساری
پھر نہ میدان بھی برابر تھا　　ہر قدم ایک غار و جُھرّ تھا

کھنڈر سے اُس میں تین چار مکان — جن کا گرنے پہ سخت ہے میلان
وہ گڑھی ساری کھتّے ناج کے تھے — برسوں سے تھے پڑے نہ آج کے تھے
خاک مٹی سے اُن گڑھوں کو بھرا — بنگلا اک لا کے اُس کے بیچ دھرا

اس گڑھی کی تباہی وخستہ حالی کے ذکر کے بعد وہاں کے لوگوں کی زبوں حالی کا یوں ذکر کرتے ہیں:

ہم کو کھانے ہی کا تردّد ہے — صبح بقّال کا تشدّد ہے
بنیا مُنہ کو چھپائے جاتا ہے — روٹی کا فکر کھائے جاتا ہے
حال کب پوچھنے کے ہے قابل — ہم فقیروں کے رنگ ہیں سائل
کس کو موسیں کہاں سے کچھ لادیں — دال آٹا جو تم کو پہونچا دیں
تم کہو دال ماش کی ہے زبوں — یاں بہم پہونچے ہے جگر کا خوں
تم کہو آٹا کرکرا کھایا، — یاں کلیجہ چھنا تو ہاتھ آیا
اور دو چار روز یہ بھی ہے — ایک غمِ سینہ سوز یہ بھی ہے
فصل ہونے ابھی نہیں پائی — پیشگی سب سے قرض لے کھائی
ماش کی دال کا نہ کریے گِلا — گوشت یاں ہے کبھو کسو کو ملا
بکری لینے کو پیسے ہیں کس پاس — کھاؤ دال اور پاؤ دو بے دسواس
جی اگر چاہے کوئی ترکاری — گول کدّو ملے بصد خواری
بھنڈی بیگن کے ناؤں ڈھینڈس تھا — اروی توری بغیر جی بس تھا
جز کدّو پاوے کلّو مدّھو کیا — یعنی کچھ اور واں تھا کدّو کیا
دارو گولی کے کچھ نہ تھے اسباب — ماش کی دال کھاتے تھے احباب

آدمی کی معاش ہو کیوں کر — کتوں میں بود و باش ہو کیوں کر
بستی دیکھی سو ایسی تھی آباد — کہ بیاباں سخت سے دے یاد
چار چھپّر کہیں چماروں کے — سو بھی ٹوٹے گرے بچاروں کے

پھر چلو آگے تو نہیں ہے کچھ ڈھنڈھ سا اور جو کہیں ہے کچھ
پھوئی پھائی کوئی حویلی ہے سو بھی میدان میں اکیلی ہے
ایک دو مردے سے پڑے ہیں واں زرد ہو ہو گئے ہیں بے لب نان
لوگ ایسے مکان سب ایسے ایسی جا گہ سے اُچٹیں دل کیسے
اور جو چار گھر نظر آئے ان کی خوبی کھلے دہیں جائے
وہ بھی کولی چمار تھے کوئی فاقوں کے زیر بار تھے کوئی
صورتیں کالی سوکھے سوکھے سے سارے کنگال اور بھوکھے سے
چار دانوں کے واسطے جی دیں جان کھا جائیں کچھ نہ جبتک لیں
اس سے آگے بڑھے تو دھنبور تھے اُجڑے بچڑے انھوں کے کچھ گھر تھے

بازار | اور آگے گئے تو تھا بازار اس میں بنیوں کی تھیں دکانیں چار
ایک کے پاس دال کچھ آٹا تس کو بھی مکھیوں نے تھا چاٹا
ایک کے ساناں اور تھوڑے چنے چھبڑوں میں خاک دھول ایک کنے
جو تھا باقی رہا سو تھا کنگال نانوں کو کہتے تھے اُسے بقال
ایک کنجڑے کے چار گھٹی پیاز تس پر اُس کو ہزار فخر و ناز
کیا کہوں مرچ تھی نہ ادرک تھی اُس پھندر میں کچھ بھی بھدرگ تھی
ایک ددکان تھی پساری کی اُن نے ہم لوگوں سے بھی یاری کی
اس سے جاکر جو مانگئے ہلدی زرد مٹی کو باندھ دے جلدی
دیکھ کر کچھ کہو تو وہ یہ کہے بس تم اس بستی میں میاں جی رہے
یاں جو کچھ ہے چلن سو دیتا ہوں میں بھی پیسے لگا کے لیتا ہوں
مانگو اس سے جو مرچ یا دھنیا دیوے کچا دہی بتا دھنیا
اُن میں دو دانے اور سب کنکر دیوے کاغذ میں ہاتھ لنبا کر
لونگ چورا نفر سے منگوایا لال مرچیں کٹی ہوئی لایا

اور اشیا یہیں سے کرے قیاس — آگے جاتا نہیں کہا مجھ پاس

عام حالت

اور دس بیس گھر گنواروں کے — اور دو چار فاقہ ماروں کے
پھوٹی مسجد خطیب تھا نہ اذاں — یہی خانہ خطیب کا تھا واں
نہ تھی قید صلوٰۃ و رسم صوم — اس پہ سیدِ امام واں کی قوم

ایک فقیر کا حال

ایک تکیہ نہ جس میں فرشِ کاہ — حالِ درویش قابلِ صد آہ
ٹکڑے ٹکڑے کی احتیاج اُس کو — مرضِ جوع لاعلاج اُس کو
برسوں چلّا کے نا اُمید ہوا — چپکی سادھی جگر میں چھید ہوا
آتے جاتے سے اُن نے جو پایا — اُسی پر رہ گیا وہی کھایا

چوں کہ سکھوں کے حملے میرٹھ تک ہوتے رہتے تھے اور لوٹ کھسوٹ اور مار کاٹ اُن کا پیشہ تھا۔ اس سبب سے اس علاقے کی معاشی اور اقتصادی حالت بہت خراب تھی، میر کہتے ہیں ؎

پڑی آفت خطر تھا سکھوں کا — کیوں کہ وہ ملک گھر تھا سکھوں کا
اس میں آجاتے تو قیامت تھی — مال و جاں غرض سب کی رخصت تھی [1]

مختصر یہ کہ شمالی ہندوستان کے سماج کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جو سیاسی انتشار اور اقتصادی بدحالی اور بیروزگاری کا شکار نہ ہو۔ بقول قاسم شاہ سے گدا تک اسی معاشی پریشانیوں میں مبتلا تھے۔

کش مکش میں ہے ہر ایک شاہ و گدا — ہے ستم عالم پہ شاہا برملا
خلق پر یہ چرخ بے مہر و وفا — دم بدم پہونچتی ہے تازہ بلا [2]

بقول نظیر اکبر آبادی:

کس کس کے دکھ کو رو دیئے اور کس کی کہیے بات ✦ روزی کے اب درخت کا ہلتا نہیں ہے پات
ایسی ہوا کچھ آکے ہوئی ایکبار بند [3] (باقی)

[1] برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ مثنوی لشنگ نامہ۔ کلیاتِ میر (آسی) ص ۹۵۹ - ۹۶۷۔
[2] کلیات قاسم (قلمی) ص ۴۰ [3] کلیاتِ نظیر اکبر آبادی - ص ۴۷۰۔